بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درسِ قرآن سلسلہ ۴-۵

فاتحۃ الکتاب

اور

تربیت کے اُصول

عبادت و استعانت

از:

پروفیسر محمد شریف سیالوی

ناشر:

مرکز تعلیماتِ اسلامیہ پاکستان (ملتان)

برائے رابطہ

احمد سعید کلینک، سادات کالونی

نزد ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن۔ بوسن روڈ، ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

عبادت

مفہوم و مطالب

تفسیر ایاک نعبد

ماسوا اللہ ہر موجود اپنے وجود و بقاء میں فقر و احتیاج کے ساتھ متصف ہے۔ انسان بھی اپنی فطرت کے لحاظ سے محتاج ہے وجود و بقا میں اور تکمیل مراحل میں سورہ فاتحہ کی پہلی آیات میں اللہ رب العزت کے وجود ذاتی، الوہیت و ربوبیت اور قدرت و رحمت کی صفات کے حوالے سے یہ حقیقت ذہن نشین کرائی گئی کہ کائنات کا ہر موجود اللہ رب العزت کا محتاج ہے۔ انسانی فطرت کے ضعف اور فقر و احتیاج کا یہ پہلو برتر اور قادر و قوی ذات کے لئے ذل و افتقار کے جذبہ و احساس کی بنیاد بنتا ہے۔ ایک دوسرا داعیہ جو جدوجہد حیات میں انسانی فطرت کا جزو لاینفک ہے اسے حصول منفعت اور دفع مضرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انسان حصول خیر اور دفع شر کے لئے بھی کسی برتر اور قادر ذات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس کی عظمت و قدرت کے پیش نظر اپنے تذلل، عاجزی اور احتیاج کی نسبت اسی ذات سے جوڑ لیتا ہے۔ تذلل و عاجزی اور تعظیم کی انتہائی شکل کو عبادت کہا جاتا ہے۔ ذوی اقتدار اشخاص، منفعت بخش اشیاء اور مظاہر فطرت مثلاً چاند، سورج، آگ، پہاڑ اور درخت وغیرہ کی پرستش انسانی فطرت کے ضعف، فقر و احتیاج اور جہالت کے مختلف پہلوؤں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے ذریعے ہدایت مہیا فرمائی اور یہ باور کرایا کہ واجب الوجود، قادر مطلق اور حقیقی نافع و ضار ذات صرف اللہ کی ہے لہٰذا اس انتہائی تذلل و عاجزی کے لائق صرف وہی ذات ہے، وہی ذات اس لائق ہے کہ اسکی عبادت کی جائے، وہی معبود برحق ہے

اور ذُل وافتقار کی نسبت صرف اسی کے ساتھ قائم کرنا فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے، کیونکہ وہ ربّ العالمین ہے، اسی کے سحابِ رحمت سے موجودات پر وجود وبقا کی بارش ہو رہی ہے، کائنات کا سارا نظام اسی کے کنٹرول میں ہے اور یومِ آخرت اسکی قدرت و مالکیت اور اختیار و تصرف کے اظہار کا دن ہے۔

اللہ جو رب العالمین، رحمٰن، رحیم اور مالک روزِ جزا ہے اسکی معرفت کے بعد فطرتِ انسان مقتضی ہوتی ہے کہ وہ اس ذات بزرگ و برتر کے لئے اپنی غایت درجہ عاجزی کا اظہار کرے اس لئے بندہ عرفانِ ذات کی اس منزل پہ پہنچ کر عرض کرتا ہے ایاک نعبد (ہم تیری عبادت کرتے ہیں)

عبادت کا مفہوم

لغت میں عبادت سے مراد اقصی غایۃ الخضوع والتذلل ہے۔[1] عبادت اس مفہوم میں عبودیت سے بڑھ کر ہے کیونکہ عبودیت محض تذلل کا اظہار ہے۔ جبکہ عبادت اس تذلل اور عاجزی کی انتہا ہے۔ اسی سے ماخوذ ہے طریق معبد یعنی وہ رستہ جو چلنے والوں کی کثرت سے پست اور پختہ ہو گیا ہو یعنی جسے پامال کیا گیا ہو۔ قرآن مجید میں عبادت کا اطلاق تین معانی پر آیا ہے (۲)

۱۔ عبادت بمعنی طاعت جیسے آیت ان لا تعبدوا الشیطان (۳)، (یہ کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو یعنی اُسکی اطاعت نہ کرو)

۲۔ عبادت بمعنی دعا، جیسے آیت ان الذین یستکبرون عن عبادتی (۴)، (وہ لوگ جو میری عبادت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں یعنی مجھ سے دعا کرنے سے بے نیاز ہو جاتے ہیں)

۳۔ عبادت بمعنی توحید اور یہ قرآن مجید میں کثرت سے آیا ہے جیسے آیت ”وما خلقت الجنّ والانس الا لیعبدون (۵)“، (میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں)

---

(۱) الکشاف ج ۱ ص ۱۲ المفردات ص ۳۱۹

(۲) روح المعانی ج ۱ ص ۸۶ (۳) القرآن : یٰس آیت ۶۰

(۴) القرآن : غافر آیت ۶۰ (۵) ” : الذاریات آیت ۵۶

عبادت اس لغوی عموم میں دو طرح ہے (۱) عبادت بالتسخیر اس کا تعلق غیر مکلّف اور غیر عاقل مخلوق سے ہے ۔ قرآن مجید میں ہے ۔ و للہ یسجد من فی السموات والارض طوعا و کرھا (۶) اور اللہ کے لئے سجدہ کرتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا ناخوشی سے ۔

۲۔ عبادت بالاختیار اس کا تعلق ذوی عقل سے ہے ۔ عرف شرع میں مخصوص نیت و اعتقاد اور مخصوص ہیئت و طریق پر افعال کی ادائیگی عبادت کہلاتی ہے ہاتھ اُٹھانا یا باندھنا ، کھڑا ہونا ، دوڑنا ، چکر لگانا ، گھٹنوں پر جھکنا ، زمین پر سر ٹیکنا ، بیٹھنا ، جانور کا ذبح کرنا ، کسی کو بلا معاوضہ کچھ دینا ، کھانے پینے سے رُک جانا ——— یہ سارے امور قیام و رکوع ، سعی و طواف ، سجدہ و تشہد ، قربانی اور نماز روزہ جو شریعت اسلامیہ میں عبادات سے موسوم ہیں عبادت نہیں بنتے بشرطیکہ (۱) یہ اظہار تذلل اور نہایت تعظیم اختیار سے ہو پس وہ تذلل جو کہ اختیار سے نہ ہو بلکہ کسی زور سے ہو تو اس کو عبادت نہیں کہتے اور ایسے ہی جو تذلل کہ بلا اختیار پایا جائے وہ بھی عبادت میں شمار نہ ہو گا ۔ (۷)

۲۔ یہ کہ جس کی تعظیم و تقدیس مطلوب ہے اور جس کے حضور اس کمال عاجزی و انکساری کا اظہار ہے اسے اپنا معبود سمجھ کر مخصوص افعال بجا لائے جائیں ۔

۳۔ اعتقاد معبود کے ساتھ اپنے معبود برحق کے حضور اظہار عاجزی و تذلل کا ارادہ اور نیت ہو ۔

اس عرفی معنی سے ہٹ کر عبادت کا اطلاق ہر اُس فعل پر ہوتا ہے جس سے اللہ کی رضا مقصود ہو (۸) ۔ اسطرح مسلمان کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر فعل عبادت بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ رضائے الٰہی کے حصول کی نیت اور ارادہ کو ہر حال اور ہر فعل پر مقدّم کرے ۔ گویا عبادت کا مفہوم یہ ٹھہرا کہ ہر فعل اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہو اور عبدیت یہ ہے کہ بندہ اللہ کے ہر فعل پر راضی ہو جائے (۹)

قرآن مجید میں جیسے پہلے عرض کیا جا چکا ہے عبادت کا معنی توحید ہے یہی مقصد تخلیق انسان بتایا گیا اور اسے ہی انبیاء و رسل علیہم السلام کی دعوت کا اصل قرار دیا گیا ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : " وما خلقت الجنّ والانس إلا لیعبدون (۱۰) (اور میں نے جنوں اور

---

(۶) القرآن : الرعد آیت ۱۵ (۷) تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۶۸

(۸) تفسیر ابی السعود ج ۱ ص ۱۶ ، ۱۷ (۹) تفسیر ابی السعود ج ۱ ص ۱۶ ، ۱۷

(۱۰) القرآن : الذاریات آیت ۵۶

انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں) انسانوں کے لئے اصل الاصول اور ان سے بنیادی مطالبہ بھی عبادت ہے۔

فرمایا: إن الحكم إلا لله أمر ألا تعبدوا إلا إياه (۱۱) حکم صرف اللہ کے لئے ہے اس نے حکم دیا کہ تم نہ عبادت کرو مگر اسی کی) اور بعثت انبیا علیہم السلام کی غرض وغایت بھی عبادت کی طرف دعوت ہے فرمایا: ولقد بعثنا في كل أمة رسولا أن اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت (۱۲) ہم نے ہر قوم کی طرف رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے بچو۔ اور وحی کا موضوع بھی یہی ہے، وما أرسلنا من قبلك من رسول إلا نوحي إليه أنه لا إله إلا أنا فاعبدون (۱۳) آپ سے قبل ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اسکی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری عبادت کرو) جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مشن یہی رہا ہے۔ فرمایا: واسأل من أرسلنا من قبلك من رسلنا أجعلنا من دون الرحمن آلهة يعبدون (۱۴) اور پوچھئے ان رسولوں سے جنہیں آپ سے پہلے بھیجا کہ ہم نے رحمٰن کے علاوہ معبود بنائے کہ انکی عبادت کی جاتی)

عبادت اور تعظیم میں فرق

جیسے پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ عبادت نام ہے انتہائی تعظیم اور انتہائی تذلل وخضوع کا۔ دونوں میں نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے۔ ہر عبادت تعظیم پر مشتمل ہوتی ہے بدونِ تعظیم کوئی فعل عبادت نہیں بن سکتا ہر تعظیم کے لئے ضروری نہیں کہ وہ عرفی معنیٰ میں عبادت بھی ہو مثلاً نماز روزہ تعظیم بھی ہے اور عبادت بھی ——— لیکن انبیاء وصالحین، مقاماتِ مقدسہ، والدین واساتذہ اور علماء وصلحاء کی تعظیم و تکریم عرف شرع میں عبادت نہیں۔ اگر ہر تعظیم کو عبادت کا نام دیا جائے تو مذکور اشخاص اور آثار و مقامات کا ادب واحترام بھی عبادت ٹھہرے گا۔ جب غیر اللہ کی عبادت و پرستش حرام ہے تو انکی تعظیم وتوقیر بھی حرام قرار پائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں حضرات

---

(۱۱) القرآن: یوسف آیت ۴۰ (۱۲) القرآن: النحل آیت ۳۶

(۱۳) " : انبیاء " ۲۱ (۱۴) " : زخرف " ۴۵

انبیاء کرام وصلحاء، اور ان کے آثار و مقامات مقدسہ شعائر اسلام میں داخل ہیں اس لئے انکی تعظیم نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ اسے تقویٰ اور ایمان و اسلام کا جزو قرار دیا گیا ہے قرآن مجید میں ہے "ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب (۱۵) —— اور جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے، پس بے شک یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے)

اس سیاق میں عبادت اور تعظیم کے اطلاق و استعمال میں احتیاط برتی جائے، ان دونوں کے مابین بنیادی فرق کو ملحوظ رکھا جائے اور شرک سازی کی مہم میں جلد بازی سے گریز کیا جائے۔

عبادت اور تعظیم کے مابین فرق و امتیاز میں سے ایک یہ ہے کہ ہر عبادت تعظیم ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر تعظیم عبادت بھی ہو۔ دوسرا یہ کہ عبادت تعظیم کی انتہائی صورت ہے اور بندہ کی طرف سے کمال عاجزی و انکساری کا اظہار ہے۔ عبادت خضوع اور تعظیم کی ایسی نوع ہے جس کی کوئی حد نہ ہو اس طرح عبادت انتہائی درجہ قلبی تذلل، دلی محبت اور اپنے معبود کے جلال وجمال میں فنا کا وہ مقام ہے کہ فنا کی کوئی اور نوع اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ انسان کبھی دام محبت کا اسیر ہو جاتا ہے وہ اپنے محبوب کے عشق میں خود کو مٹا دیتا ہے۔ اس کے لئے ذلت و پستی اور فنا کو قبول کرتا ہے۔ اس محبوب کی کی خاطر ہر تکلیف اور عذاب میں ایک گونا لذت محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ عمل کتنا ہی کیوں نہ بڑھ جائے اسے عبادت کا نام نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ عبادت ایسا عمل ہے جس کا اثر شعور پر بیحد غالب آجاتا ہے اسکی حقیقت کا احاطہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر عبادت سے یہ روح خارج ہو جائے اور یہ شعوری کیفیت موجود نہ ہو تو ایسی عبادت خدا کے ہاں نہ مقبول ہوتی ہے اور نہ ہی اس سے رضائے باری تعالیٰ کا ثمرہ حاصل ہو سکتا ہے (۱۶)

تیسرا یہ ہے کہ عبادت صرف ایسی تعظیم کا نام ہے جو معبود سمجھ کر بجا لائی جائے مثلاً سجدہ جو بظاہر عبادت کا واضح نمونہ ہے بطور تعظیم غیر اللہ کے لئے پہلی شریعتوں میں جائز رہا ہے، یہ سجدہ عبادت نہیں بلکہ سجدہ تعظیمی ہے جس میں مسجود کے معبود ہونے کا اعتقاد نہیں پایا جاتا، ملائکہ کا سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کو (۱۷) ، اور برادران یوسفؑ کا سجدہ حضرت یوسف علیہ السلام

---

(۱۵) القرآن : الحج آیت ۳۲ (۱۶) تفسیر القرآن (محمود شلتوت) ج ۱ ص ۲۹

(۱۷) " : بقرہ " ۳۴

کو اسی قبیل سے ہے (۱۸)۔ یہاں یہ تصریح ضروری ہے کہ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں تعظیمی بھی حرام ہے (۱۹)۔ چوتھا یہ کہ اطلاق کے اعتبار سے لفظ عبادت صرف اللہ کے حضور اظہارِ تذلل کی تعبیر کے لئے آتا ہے، غیر اللہ کی تعظیم کے لئے عبادت کے لفظ کا اطلاق حرام ہے۔ اس طرح عبادت کا اطلاق اللہ رب العزت کے ساتھ خاص ہے جبکہ تعظیم کا لفظ اللہ اور اس کے ماسوا کے لئے آسکتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ عبادت تو عاجزی اور تعظیم کی انتہائی شکل ہے جو صرف اللہ کے حضور جائز ہے (۲۰) اس لئے جو شخص یہ (عبادت) لفظ غیر اللہ کے لئے استعمال کرتا ہے وہ فعلِ حرام کا مرتکب ہوتا ہے (۲۱)

عبادت اور طاعت میں فرق

عبادت اور طاعت کے درمیان نسبتِ تساوی یعنی ہر عبادت کو طاعت اور ہر طاعت کو عبادت کا نام دینے میں بھی مغالطہ ہے حقیقت یہ ہے کہ کوئی عبادت بغیر طاعت کے نہیں ہوتی لیکن طاعت بغیر عبادت ہوسکتی ہے مثلاً اللہ رب العزت کی عبادت بھی ہے اور طاعت بھی جبکہ انبیاء و رسل اولوالامر، والدین اور اساتذہ و مرشدین کی عبادت تو ہرگز جائز نہیں لیکن انکی اطاعت ضروری ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (۲۲)

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے۔

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (۲۳)

اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ (۲۴)

---

(۱۸) القرآن : یوسف آیت ۱۰۰ — (۱۹) رواہ ابوداؤد و احمد عن معاذ بن جبل

(۲۰) تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۸ — (۲۱) حاشیہ علی البیضاوی (شیخ زادہ) ج ۱ ص ۴۲

(۲۲) القرآن : نساء آیت ۵۹ — (۲۳) القرآن : نساء آیت ۵۹

(۲۴) " : " " ۸۰

جس نے رسول کی اطاعت پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اس لئے انکی تعظیم والدین کی اطاعت کو ہر حال میں لازم قرار دیا گیا الا یہ کہ وہ شرک پر مجبور کریں قرآن مجید میں ہے

وان جاھداك علی ان تشرك بی ما لیس لك به علم فلا تطعھما ـــــ اور اگر وہ دونوں تجھے مجبور کریں اس پر کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں پس انکی اطاعت نہ کر۔ مخلوق کی جائز اطاعت کا ضابطہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (۲۶) ترجمہ مخلوق کی ایسی طاعت جائز نہیں جس میں خالق کی نافرمانبرداری ہو عربی لغت کے ایک عالم نے اس فرق کو یوں بیان کیا "ان العبادة غایة الخضوع و لا تستحق الا بغایة الانعام و لھذا لا یجوز ان یعبد غیر اللہ و لا تکون العبادة الا مع المعرفة بالمعبود والطاعة الفعل الواقع علی حسب ما ارادہ المرید متی کان المرید اعلی رتبة ممن یفعل ذلك و تکون للخالق و المخلوق و العبادة لا تکون الا للخالق و الطاعة فی مجاز اللغة تکون اتباع المدعو الداعی الی ما دعاہ الیه و ان لم یقصد التبع کالانسان یکون مطیعا للشیطان و ان لم یقصد ان یطیعه و لکنه اتبع دعاءہ و ارادته (۲۷)

ترجمہ: عبادت غایت خضوع ہے اور اس کا استحقاق غایت انعام سے ہی ہو سکتا ہے اس لئے اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں اور عبادت نہیں ہوتی مگر ساتھ جاننے معبود کے۔ طاعت ایسا فعل ہے جو فاعل کے مرتبہ سے اعلیٰ ارادہ کرنے والی ذات کے ارادے کے مطابق واقع ہو یہ (طاعت) خالق اور مخلوق دونوں کی ہو سکتی ہے۔ لیکن عبادت صرف خالق کے لئے ہے۔ البتہ طاعت مجاز کے طور پر داعی کی دعوت پر مدعو کے اتباع کرنے کا نام ہے خواہ وہ (متبع) اتباع کا قصد بھی نہ کرے جیسے کہا جائے کہ انسان شیطان کا مطیع ہے حالانکہ اُس نے

---

(۲۶) رواہ فی شرح السنة عن النواس بن سمعان

(۲۷) الفروق اللغویة (ابو ھلال العسکری) ص ۱۸۱

شیطان کی اطاعت نہیں کی بلکہ اس کی دعوت اور خواہش کے پیچھے چلا۔)

اس حوالے سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ گو عبادت اور طاعت ایک دوسرے کی جگہ آ جاتے ہیں لیکن بُنیادی طور پر ان دونوں میں لغوی اعتبار سے فرق ہے، مثلاً قرآن مجید میں انبیاء ورسل اور صالحین کی قبروں کو پُوجنے والوں کی مذمت کی گئی تو انہوں نے کہا " ما نعبدھم الا لیقربونا إلی اللہ زلفا (۲۸) ہم انکی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں) آیت مذکورہ میں ان کے اس فعل کو مذموم اور حرام قرار دیا گیا کیونکہ وہ ان انبیاء و صالحین کو معبود سمجھتے تھے اور اعتقادِ معبودیت سے انکی قبروں پر سجدہ ریز ہوتے تھے۔ اگر عبادت سے مراد یہاں تعظیم اور طاعت ہوتا تو یہ فعل مذموم نہ گردانا جاتا۔ اس لئے کہ قرآن وسُنّت کے شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ انبیاءؑ و رسلؑ اور صالحین کی تعظیم اور اطاعت قربِ خداوندی کا ذریعہ ہے، ان کا ادب اور احترام ایمان اور تقویٰ میں داخل ہے، انکی فرمانبرداری موجب فوز وفلاح ہے اور ان کے حق میں گُستاخی اور بے ادبی بے دینی ہے۔ لہذا اس آیت سے حرمتِ عبادت کی نفی سے انبیاء و صالحین کی تعظیم اور ادب و احترام کی نفی ایک ایسا مغالطہ ہے جس سے قرآن و سُنّت کے صریح احکام کا انکار لازم آتا ہے۔

مستحق عبادت صِرف اللہ ہے

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ تعظیم و طاعت غیراللہ کے لئے جائز ہے لیکن استحقاقِ عبادت صِرف اور صِرف اللہ جل شانہٗ کو حاصل ہے معبود برحق صِرف ایک ہی ذات ہے۔

ایاک نعبد میں ایاکؐ مفعول بہ ہے جو فعل اور فاعل ہر دُو پر مقدم ہے عربی قواعد کی رُو سے مفعول بہ کی تقدیم حصر اور اختصاص کا فائدہ دیتی ہے اس لئے معنی کلام ہوا۔ نخصّک بالعبادۃ (ہم تجھے عبادت کے ساتھ خاص کرتے ہیں) اور یہ کہ نعبدک و لا نعبد احدا غیرک (ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے) گویا ایاک نعبد سے اثباتِ عبادت ہے اللہ کے لئے اور نفیٔ عبادت ہے غیر اللہ سے۔ جس طرح کلمہ طیبہ لا

---

(۲۸) القرآن :۔ الزمر آیت ۳

إلٰہ إلا اللہ میں اللہ کے معبود ہونے کا اثبات اور غیر اللہ کے معبود ہونے کی نفی ہے۔ قرآن مجید کی بعض آیات میں اثباتِ عبادت ہے اللہ کے لئے جیسے فرمایا : یا یہا النّاس اعبدو ربکم الذی خلقکم (۲۸) اے لوگو اپنے ربّ کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا) کہیں صرف نفی عبادت ہے غیر سے جیسے فرمایا : فلا تجعلوا للہ اندادا ً واجتنبوا الطاغوت (۲۹) ترجمہ :۔ پس تم اللہ کے مدِمقابل نہ بناؤ اور طاغوت سے بچو ۔ اس تعبیر سے ایاك نعبد کہہ کر بندہ لا إلٰہ إلّا اللہ کے دعوے کا عملی ثبوت دیتا ہے۔ دونوں کلمے ایک ہی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں کلمہ لا إلٰہ إلا اللہ دوّامروں پر مشتمل ہے ایک مثبت دوسرا منفی۔ اسی طرح ایاك نعبد بھی دو امروں سے مرکب ہے ایک میں اثبات اور دُوسرے میں نفی (۳۰)

عبادت صرف اللہ کے لئے روا ہے کیونکہ عبادت کے لائق کوئی نہیں مگر وہ ذات کہ جس کی طرف سے غایت درجہ انعام واکرام اور فضل واحسان ہو۔ سُورۃ فاتحہ میں مذکور اسماء باری تعالیٰ کی توضیح میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ انسان بنیادی طور پر محتاج ہے ، ماضی ، حال اور استقبال ہر سہ زمانوں میں وہ اللہ کی ربوبیت اور رحمت کا محتاج ہے۔ بتقاضائے ربوبیت و رحمت اللہ کی طرف سے بندوں پر مسلسل انعامات کی بارش ہوتی رہتی ہے ۔ اسی رحمت سے اسے (بندے کو) خلعتِ وجود ملی ، لاعلمی سے عقل وشعور کی روشنی میں آیا اور پھر طرح طرح کے اسبابِ زندگی عطا ہوئے گویا تخلیق وایجاد سے لے کر بقائے حیات اور حیات بعد از ممات تک کے سارے مراحل یہ اللہ کے انعامات ہیں ۔ ارشاد ہے : ”وقضی ربّك ان لا تعبدوا إلا ایّاہ (۳۱)

(اور فیصلہ کیا تیرے ربّ نے کہ تم نہ عبادت کرو مگر صرف اسی ایک کی)

اور جو ذات ان صفات کی مالک نہیں وہ کسی طرح بھی لائق عبادت نہیں ۔ مُشرکین مظاہر فطرت ، اشخاص اور اشیاء میں سے جن کی پرستش کرتے ہیں وہ بالذات نفع اور نقصان کے

---

(۲۹) القرآن : النحل آیت ۳۶

(۳۰) اضواء البیان : الشنقیطی محمد امین ج ۱ ص ۱۰۴

(۳۱) القرآن : الاسراء آیت ۲۳

مالک نہیں اس لئے ان کے سامنے سجدہ ریز ہونا انسانیت اور عقل و خرد کی توہین ہے اور غیر اللہ کی پرستش فطرتِ سلیمہ کے منافی ہے۔

ایّاکَ نعبد میں تقدیم مفعول بہ (معبود) میں یہ حکمت مضمر ہے کہ عارف کو چاہیئے کہ وہ اس مقام پر خود کو بھول جائے عبادت کو بھی مقصود نہ بنائے اسکی نگاہ ہو تو صرف اپنے معبودِ حقیقی پر تاکہ وہ اس کے انوارِ جمال کے مشاہدہ میں استغراق کی نعمت سے سرفراز کیا جائے۔(۲۲)

حکمتِ التفات اور کمالِ عبادت

الحمد للہ سے مالکِ یوم الدین تک کلام بصیغۂ غائب ہے۔ ایّاکَ نعبد (ہم تیری عبادت کرتے ہیں) میں خطاب ہے۔ علم بلاغت میں ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف لوٹنا، تکلّم، خطاب اور غیب میں سے ایک سے دوسرے کی طرف منتقلی جہاں سامع کے لئے دلکشی اور جاذبیت کا باعث ہوتی ہے وہاں محبّت و نفرت، عظمت و حقارت اور اہمیت وغیرہ جیسے معنوی اُمور کی طرف اشارے بھی پائے جاتے ہیں جو اہلِ ذوق کے لئے خاص کیف و سُرور پیدا کر دیتے ہیں۔ اس اندازِ بیان کو التفات کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی آیت حتیٰ اذا کنتم فی الفلك وجرین بھم (۲۳) بطورِ مثال کے پیش کی جاتی ہے کیونکہ اس میں خطاب سے غیب کی طرف منتقلی ہے۔ فاتحہ الکتاب میں اس کے برعکس غیب سے خطاب کی طرف التفات ہے۔ اس میں حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ بندہ جب اللہ کے حضور کمالِ عاجزی کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور اللہ کی عظمتِ شان کے پیشِ نظر بصیغۂ غیب اسکی صفاتِ کمالیہ کا بیان شروع کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ذات جو پہلے پردۂ خفاء میں تھی وہ ان صفات کی معرفت سے عیاں ہوگئی، غیب خفی جب ظہورِ جلی میں بدل گیا تو یہ حال اسلوب خطاب کی طرف منتقلی کا سبب ٹھہرا۔ بندہ جب مالک یوم الدین تک پڑھتا ہے، صفات باری تعالیٰ میں غور و فکر کرتا ہے اور جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ان صفاتِ کمالیہ میں منفرد ہے۔ انہی صفات کی وجہ سے وہ ذاتِ اقدس معبودیت کے لائق ہے وہ ان صفاتِ کمال سے ممتاز ہے اور کائنات کا ہر موجود اپنے وجود

---

(۲۲) ضیاء القرآن : محمّد کرم شاہ الازہری ج ۱ ص ۲۴

(۲۳) القرآن : یونس آیت

اور بقاء میں اسں کا محتاج ہے (۳۴) یوں عابد مرتبہ دلیل و برہان سے درجۂ مشاہدہ کی طرف، عالم غیب سے عالم شہود کی طرف منتقل ہو جاتا ہے خود کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضر پاتا ہے گویا وہ اپنے رب کے حضور کھڑا ہے نہایت خضوع کے ساتھ دستِ دعاء دراز کرتا ہے، عاجزی و زاری سے مناجات کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور عرض کرتا ہے اے وہ ذات جو ان صفاتِ کمالیہ کے ساتھ متصف ہے ہم عبادت کے لئے تجھے مخصوص کرتے ہیں اور ہم کسی اور کو موجود حقیقی ہی تسلیم نہیں کرتے چہ جائیکہ اسکی عبادت کریں۔(۳۵)

علامہ بیضاوی رح فرماتے ہیں کہ اسلوب التفات میں راہِ سلوک کے اشارات ہیں کیونکہ عارف کا ابتدائی حال اسماء باری تعالیٰ کا ذکر، ان کی حکمتوں میں فکر و تدبر، اللہ کی نعمتوں میں غور و خوض، اللہ کی کمالِ صنعت سے اسکی بلند شان اور قوت و قدرت پر استدلال ہے۔اس راہ کا منتہا ہے کہ وہ بحرِ وصال کی موجوں میں غوطہ زن ہو کر اھلِ مشاہدہ میں سے ہو جاتا ہے پس وہ اپنے رب کو بے حجاب دیکھتا ہے اور اسں سے ہمکلام ہوتا ہے (۳۶)

ایاک نعبد سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حمد ہو تو ایسے ہو کہ حمد کرنیوالے بندہ کو حجابِ غیب سے اٹھا کر قربِ مشاہدہ اور درجہ حضوری کی بلندی پر پہنچا دے، یہی کیفیت روح عبادت ہے مشاہدہ کی یہ حالت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب بندہ دولتِ یقین سے مالا مال ہو جاتا ہے، صفات باری تعالیٰ کی معرفت اس کے ذہن میں راسخ ہو جاتی ہے، وہ ماسوا اللہ سے اعراض کر لیتا ہے، اسکی ساری توجہ اپنے رب کی طرف مرتکز ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اسں کے قلب، اسکی زبان، وہم و گمان اور اسں کے ظاہر و باطن میں اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوتا (۳۷)

قرآن مجید نے یقین کو روحِ عبادت کہا حکم ہوا "واعبد ربك حتى يأتيك اليقين"(۳۸) اور تو اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے (حدیثِ نبوی میں اس حالت

---

(۳۴) تفسیر ابی السعود ج ۱ ص ۱۶ (۳۵) تفسیر ابی السعود ج ۱ ص ۱۶

(۳۶) تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۸ (۳۷) حاشیہ علی البیضاوی (شیخ زادہ) ج ۱ ص ۳۹

(۳۸) القرآن : الحجر آیت ۹۹

کو احسان سے تعبیر کیا گیا۔ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا:
اخبرنی عن الاحسان (یارسول اللہ مجھے احسان کے بارے بتائیے) تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الاحسان ان تعبد اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (۳۹) (احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے پس اگر تو اسے دیکھ نہیں رہا تو بے شک وہ تجھے دیکھتا ہے)

صیغۂ جمع میں حکمت

ایاک نعبد میں نعبد صیغۂ جمع متکلم ہے معنی ہے ہم عبادت کرتے ہیں، یہاں اَعْبُدُ (میں عبادت کرتا ہوں) کی بجائے نعبد کہنے میں چند حکمتیں ہیں ایک تو یہ کہ جمع کے صیغہ سے التزام جماعت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔(۴۰) دوسرا یہ کہ اعبد (میں عبادت کرتا ہوں) کہنے سے اور عبادت کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرنے سے غرور پیدا ہو سکتا ہے کہ میں عبادت گزار ہوں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ عبادت کا حق پوری طرح ادا کرنا انسان کے بس میں نہیں اور عبادت پر غرور ایک آفت ہے جو اخلاص اور خدا کے حضور کمالِ عاجزی کے جذبہ کے لئے موت ہے۔ اس لئے نعبد کہنے کی تعلیم دی گئی تاکہ بندہ اپنی عبادت پر اترائے نہیں بلکہ اتنی ریاضت و مجاہدہ کے باوجود بھی اپنی عبادت کو کم خیال کرے۔ تیسرا یہ کہ نَعْبُدُ کہہ کر بندہ اپنی عبادت کو انبیاء و صالحین کی عبادت کے ساتھ رکھ دیتا ہے اور اپنی حاجت کو انکی حاجتوں کے ساتھ ملا دیتا ہے اس توقع سے کہ ان مقربانِ بارگاہ کی عبادت کی برکت سے اسکی عبادت قبول ہو اور حاجت پوری ہو۔ یہ اس لئے بھی ہے کہ بعض عبادت کا قبول کرنا اور بعض کا رد کرنا ارحم الراحمین کے کرم کے لائق نہیں اور پھر ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یشقی جلیسھم، ان کا ہمنشیں کبھی بدبخت نہیں ہو سکتا، یہ بندہ جب ربِّ کائنات کے حضور تمام عابدوں کی عبادتیں اور حاجتمندوں کی حاجتیں پیش کرتا ہے تو گویا وہ عرض کرتا ہے۔ الٰہی! میری عبادت میں ہر قسم کا قصور، عیب اور نقصان سہی،

---

(۳۹) صحیح بخاری باب سؤال جبریل النبیؐ عن الاحسان

(۴۰) تفسیر مظہری ج ۱ ص ۹

لیکن یہ عابدوں کی عبادت کے ساتھ ملی ہوئی ہے تیرے کرم کے لائق نہیں کہ تُو ان عبادتوں میں فرق کرے یا سب کو ردّ کر دے کیونکہ ان میں تیرے اولیاء اور نیک بندوں کی اخلاص میں ڈُوبی ہوئی عبادتیں ہیں بس اے اللہ اس عبادت کو بھی ان صالحین کی عبادت کے ساتھ ملانے کی برکت سے قبول فرمالے۔ (۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

استعانت : مفہوم و مطالب

تفسیر: وایاک نستعین،

حق تعالیٰ کی شانِ الوہیت کا تقاضا یہ ہے کہ مخلوق آداب بندگی اور پرستش کے لئے اسے ہی مخصوص جانے اور انکی پیشانی صرف اسی ایک بارگاہ میں سجدۂ نیاز کے لئے جُھک جائے اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت یعنی رب العالمین ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے فقر و احتیاج کی نسبت اپنے خالق و مالک سے قائم کرے، ظاہری اسباب کی بجائے مؤثر حقیقی پر نگاہ رکھے اس لئے کہ نفع اور ضرر کا حقیقی مالک صرف اللہ ہے۔

اس پس منظر میں عبادت و استعانت کا ایک دُوسرے کے ساتھ بہت قریبی تعلق ہے۔ حق تعالےٰ کی صفتِ کمال اس کا معبود ہونا ہے تو بندے کا کمال کمالِ بندگی میں ہے اللہ تعالیٰ صفتِ ربوبیت سے متصف ہے تو بندے کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو مستعان اور حاجت روا سمجھے۔

اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا معنی ہے ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ایاک نعبد کی طرح یہاں

---

(۱۴) حاشیہ علی البیضاوی (شیخ زادہ) ج ۱ ص ۴۳

بھی ایاکَ یعنی مفعول بہٖ کی تقدیم فعل نَسْتَعِیْنُ پر مفید حصر و اختصاص ہے، معنیٔ کلام یہ ہوا کہ نخصّک بالاستعانۃ (ہم تجھے استعانت کے ساتھ خاص کرتے ہیں) یا یہ کہ نَسْتَعِیْنُکَ ولا نَسْتَعِیْنُ غَیْرَکَ (ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں اور تیرے سوا کسی اور سے مدد نہیں چاہتے)

لغت عرب میں الاستعانۃ کا معنی ہے طلب العون والتائید والتوفیق[1]، یعنی مدد، تائید اور توفیق کا سوال کرنا۔

ایاکَ نعبد کے بعد ایاکَ نستعین لانے میں حکمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ عبادت گو بندے کا فعل ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی فعل خیر بدون توفیق الٰہی اور تائید خداوندی کے ہو نہیں سکتا اس لئے تعلیم یہ دی گئی کہ بندہ اپنی عبادت پر غرور نہ کرے بلکہ اپنے رب کے حضور سربسجود ہونے کی استطاعت اور جذبۂ عبودیت کے حصول کے لئے دامن طلب پھیلائے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ طلب توفیق کو اس فعل خیر یعنی عبادت سے پہلے ہونا چاہیئے یعنی عبادت سے پہلے استعانت ہوتی، اگرچہ واقعہ یہی ہے لیکن اس اعتبار سے کہ عبادت اللہ حق ہے اور استعانت بندے کا، اور یہ کہ اللہ کا حق بندے کے حق پر مقدم ہے یہاں ایاک نعبد کو پہلے ذکر کیا گیا اور ایاک نستعین کو بعد میں۔

عمومی طور پر استعانت طلب المعونۃ کے معنی میں ہے لیکن اس سیاق میں معونت کی چار اقسام بیان کی گئی ہیں، قاضی بیضاوی اس ضمن میں فرماتے ہیں:

الاستعانۃ طلب المعونۃ وھی إما ضروریۃ او غیر ضروریۃ، والضروریۃ ما لا یتأتی الفعل دونہ کاقتدار الفاعل وتصورہ وحصول آلۃ ومادۃ یفعل بہا وعند استجماعہا یوصف الرجل بالاستطاعۃ ویصح ان یکلف بالفعل ویسہل کالراحلۃ فی السفر للقادر علی المشی او یقرب الفاعل إلی الفعل ویحثہ علیہ وھذا القسم لا یتوقف علیہ صحۃ التکلیف والمراد طلب

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن: القرطبی، ج ۱: ص: ۱۴۵

المعونۃ فی المہمات کلہا او فی اداء الواجبات (۱)

ترجمہ: استعانت کے معنی ہیں طلبِ معونت یہ دو قسم ہے (۱) ضروری (۲) غیر ضروری اس فعل پر قادر ہونا، اور یہ کہ —— اس فعل کا خیال دل میں آنا، آلات اور وسائل کا حاصل ہونا جس سے وہ فعل کیا جائے، یہ جس شخص میں جمع ہو جائیں تو اسے صاحبِ استطاعت کہا جائے گا۔ کسی فعل کے ساتھ مکلف ہونے کا دارو مدار بھی اسی پر ہے۔

دوسری وہ چیز کہ اس کام کو آسان کر دے جیسے سواری سفر میں اس شخص کی نسبت سے جو پیدل چلنے پر قدرت رکھتا ہے۔

تیسری وہ چیز کہ فاعل کو فعل کے نزدیک کر دے۔

چوتھی وہ چیز کہ فعل پر برانگیختہ کرے اور رغبت پیدا کرے، اس پر تکلیف موقوف نہیں۔

معونت کی ان اقسام کے پس منظر میں اگر استعانت سے مراد ادائیگی عبادت میں طلب معونت ہو (۲)۔ تو عقل و شعور، ہاتھ اور پاؤں عبادت کے لئے قسم اوّل کی چیزیں ہیں، موانع کا دُور کرنا اور عبادت کے لئے مشغولیت اور قلبی فراغت کا مہیا کرنا دوسری قسم ہے۔ داعیہ اور جذبۂ عبادت دل میں ڈالنا، اس کا حسن عقل کے نزدیک ظاہر کرنا، لذت عبادت پیدا کرنا اور دل کا کھل جانا یہ تیسری قسم ہے، مرشد، انبیاء اور اولیاء کا پیدا فرمانا تاکہ وہ نصیحت کے ساتھ عبادت کی ترغیب دیں یہ قسم چوتھی ہے (۳)

وجوب عبادت کے لئے وجود استطاعت ضروری ہے۔ اور کمالِ عبادت تب حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ جملہ اقسامِ معونت مہیا ہوں۔ یہ معاملہ صرف عبادت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جملہ امور خیر میں استعانت درکار ہے۔

یہاں اس سیاق میں ایاک نعبد کی نسبت سے استعانت فی العبادۃ کا مفہوم یہ متعین ہوتا ہے کہ ہر چند عبادت بندے کا کسب اور عمل ہے لیکن بندے کا عمل موقوف ہے اس پر کہ اس کے دل میں تصور اس فعل کا آئے، کیونکہ جب تک دل میں اس کا خیال نہ آئے وہ اسے

---

(۱) انوار التنزیل و اسرار التاویل: قاضی بیضاوی ج ۱: ص ۹

(۲) تفسیر کشاف: جار اللہ زمخشری ج ۱: ص

(۳) ؍ عزیزی: شاہ عبدالعزیز دہلوی ج ۱: ص ۴۶

کیسے کر سکتا ہے اور یہ تصوّر پیدا کرنا خدا کے اختیار میں ہے اسی طرح عبادت کے نفع اور حسن کا علم اور اس علم کو اس کے دل میں بٹھانا اور محکم کرنا یہ سب کچھ اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ بندے کو اس میں کوئی دخل نہیں (۱)

استعانت بالغیر یہ ضابطہ بہرحال پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ مؤثر حقیقی تو صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس لئے اصلاً مستعان و حاجت روا اللہ ہی ہے۔ البتہ علی سبیل المجاز بعض اوصاف و اعمال اور اشیاء و اشخاص سے استعانت قرآن و سنّت سے ثابت ہے۔ ایسی صورت میں جن سے استعانت کی جاتی ہے انکی حیثیت محض وسیلہ اور ذریعہ کی ہوتی ہے۔

علامہ آلوسی نے ایاک نعبد کے بعد ایاک نستعین لانے میں ایاک کے تکرار کی وجہ بیان فرمائی کہ:

"عندی ان التکرار للاشعار أن حیثیة تعلق العبادة به تعالیٰ غیر حیثیة تعلق طلب الاستعانة منه سبحانه ولو قال ایاک نعبد ونستعین لتوهم أن الحیثیة واحدة والشان لیس کذلک اذ لا بد فی طلب الاعانة من توسط صفة ولا کذلک فی العبادة فلاختلاف التعلق اعاد المفعول لیشیر بها الیه (۱)

ترجمہ: میرے نزدیک تکرار ایاک کا باعث اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عبادت کا تعلق جس حیثیت سے اللہ کے ساتھ ہے وہ اس سے مختلف ہے جس سے استعانت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے تعلق ہے۔ اس لئے اگر یہ ہوتا ایاک نعبد و نستعین تو اس امر کا وہم پایا جاتا کہ دونوں (عبادت و استعانت) کی حیثیت ایک ہی ہے حالانکہ معاملہ ایسا نہیں کیونکہ طلب اعانت میں کسی صفت کا واسطہ ضروری ہے جب کہ عبادت میں ایسا نہیں تو اس تعلق کے اختلاف کی وجہ سے معفول بہ یعنی ایاک کو لوٹایا گیا تاکہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو سکے۔

استعانت بالغیر کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) استعانت مخصوص اوصاف وافعال سے

(۲) اشیاء ـــــ اور ـــــ (۳) ذوات واشخاص سے

قرآن وسنت میں ہر سہ انواع سے استعانت کا جواز ملتا ہے ہاں اگر ان اسباب ووسائل کو اصلاً موثر مانا جائے، ان کے مستقل بالذات ہونے کا اعتقاد رکھا جائے، انہیں ارادہ ربانی اور منشائے باری کا پابند نہ سمجھا جائے تو اس کے شرک اور واضح گمراہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

قرآن مجید میں صبر اور صلوۃ سے استعانت کا حکم ہے ظاہر ہے کہ صبر اور نماز دونوں بندے کے افعال ہیں۔ آیت ہے: یا ایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ (۱)

(اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری، قیلولہ اور صدقہ کے ساتھ دن کے روزے، رات کی عبادت اور رزق کے حصول کے لئے استعانت کا حکم دیا۔

ابن ماجہ کی روایت ہے: "استعینوا بطعام السحر علی صیام النہار و بالقیلولۃ علی قیام اللیل" (۲)

(سحری کے کھانے کے ساتھ دن کے روزوں اور قیلولہ کے ساتھ رات کی عبادت پر مدد چاہو)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ "عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم استعینوا علی الرزق بالصدقۃ" (۳)

(رزق کے بارے صدقہ سے مدد چاہو)

نیکی اور خیر کے کاموں میں ایک دوسرے سے مدد اور طلب مدد ہر دو شرعاً مطلوب ہیں اس کا ضابطہ قرآن مجید نے مہیا فرمایا کہ: تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (۴)

ترجمہ:۔ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور تقویٰ پر مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)

---

(۱) البقرہ آیت ۴۵ (۲) سنن ابن ماجہ

(۳) مسند الفردوس (۴) المائدۃ آیت ۲

قرآن مجید نے ذوالقرنین کی حکایت بیان فرمائی کہ انہوں نے یاجوج و ماجوج کے خلاف لوگوں سے مدد چاہی : قال ما مكنّي فيه ربي خير فاعينوني بقوة (۱)

ترجمہ :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (انا لا نستعين بمشرك (۲)

ترجمہ ، ہم مشرک سے استعانت نہیں کرتے) کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اگر استعانت مسلمانوں سے ہو تو وہ جائز ہے ۔

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدمت گزار تھے ، وضوء اور دیگر ضروریات کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پانی لایا کرتے ، ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر اس اپنی مسرت کا اظہار کیا ۔ ربیعہ ہی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

يا ربيعة سلني ، قال فقلت اسئلك مرافقتك في الجنة قال او غير ذالك قلت هو ذاك قال فاعني على نفسك بكثرة السجود (۳)

ترجمہ : اے ربیعہ مجھ سے مانگ ، فرماتے ہیں میں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے علاوہ اور کوئی مانگ ، میں نے عرض کی یہی کافی ہے آپ نے فرمایا کہ پھر کثرت سجود کے ساتھ میری مدد کیجئے ۔

حدیث بالا سے کئی اہم امور پر آگہی ہوتی ہے ، علاوہ ازیں یہ پتہ چلتا ہے کہ غیر اللہ سے مدد کی طلب جائز ہے یہ تو اخروی نجات کے لئے امتی کی اپنے حق میں مدد ہے اس کے برعکس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اخروی نجات اور بخشش کے لئے درخواست کا وسیلہ بنانے اور طلب مدد کے لئے اللہ رب العزت نے خود تعلیم فرمائی ارشادِ ربانی ہے :

---

(۱) الکہف آیت ۹۵ (۲) سنن ابی داؤد

(۳) ابن ماجہ

ولو أنهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر
لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما (۱)

ترجمہ : اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اللہ سے بخشش چاہیں اور رسول بھی اُن کے لئے بخشش کی درخواست کرے تو وہ یقیناً اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے ۔

رجالِ غیب سے طلب مدد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے ۔

اذا ضل أحدكم شيئا او اراد عونا وهو بارض ليس بها انيس فليقل يا عباد الله اعينوني يا عباد الله اعينوني يا عباد الله اعينوني فان لله عبادا لا يراهم (۲)

ترجمہ : اگر تم میں سے کسی کی کوئی چیز گُم ہو جائے اور مدد کا ارادہ کرے جب وہ ایسے علاقے میں ہو جہاں اور کوئی مونس نہ ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ تین بار کہے :

یا عباد اللہ اعینونی —— اے اللہ کے بندوں میری مدد کیجئے ۔

کیونکہ اللہ کے ایسے بندے بھی ہوتے ہیں جنہیں وہ دیکھ نہیں سکتا ۔

قرآن و سنت کے شواہد کی رو سے استعانت بالغیر کے جواز کی شرط یہ ہے کہ ان اشیاء، یا صفات و افعال اور ذوات و اشخاص کو عونِ الٰہی کے لئے وسیلہ بنایا جائے ۔ اس کی اصل قرآن مجید کی آیت —— " وابتغوا اليه الوسيله (۳)

ترجمہ : اور تم اللہ کی طرف وسیلہ چاہو) ہے ، بلکہ توسل یعنی وسیلہ بنانا یہ معنی تو غیر خدا کے لئے خاص ہے کیونکہ اللہ عزوجل وسیلہ اور واسطہ بننے سے پاک ہے اس کے سوا حقیقی حاجت روا کون ہے کہ یہ درمیان واسطہ بنے گا ۔ (۴)

استعانت اور تعاون

استعانت بالغیر کے جواز کی ایک دلیل تعاون باہمی بھی ہے ۔ یہ تعاون انسانی معاشرت اور تمدن کی خشتِ اوّل ہے قرآن مجید

(۱) النساء آیت ۶۴ (۲) الطبرانی

(۳) المائدہ ، آیت ۳۵

(۴) مجموعہ رسائل (اردو ترجمہ) مولانا احمد رضا خان رح ص ۸۲

میں ہے ـــــ تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (۱)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بکثرت احادیث مروی ہیں جن میں ایک دوسرے کی مدد، حاجت برآری اور امورِ خیر میں تعاون باہمی پر تاکید فرمائی گئی۔ کتب حدیث میں قضاءِ حاجات المسلمین کے عنوان سے اس کارِ خیر پر متوجہ کیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی مدد اپنے بندوں تک بالعموم کسی واسطہ سے ہوتی ہے۔ یہی واسطے وہ اسباب و ذرائع ہیں جن میں اللہ رب العزت نے تاثیر رکھی ہے یہ سلسلہ اسباب ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی محیط ہے۔ معیشت ہو یا سیاست، معاشرت ہو یا تعلیم و تربیت ہر جگہ تعاون کے مظاہر ہیں۔

غرضیکہ انسانی زندگی سے متعلق معاملات اور انسانوں کی ضروریات اصول تعاون سے طے پاتے ہیں۔ اس لئے استعانت کی ہر نوع کو شرک اور گمراہی سے تعبیر کرنا ایک بہت بڑا مغالطہ ہے۔

حقیقی استعانت فاتحہ الکتاب کے سیاق میں اگر استعانت سے مراد استعانت فی العبادۃ ہو تو ماقبل کے ساتھ تعلق یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے حضور آدابِ بندگی بجالاتے ہوئے یہ محسوس کرتا ہے کہ عبادت کی نعمت میسر نہیں آسکتی، جب تک کہ اس کی توفیق کا سوال نہ کیا جائے اس لئے کہ عبادت آسان نہیں ہوتی جب تک مخلوق، شیطان اور نفس اور ان کے عوارض کے شر کو روک نہ دیا جائے ایک طرف تو ان موانع کو دور کئے بغیر عبادت ممکن نہیں اسی طرح ریاکاری، طلبِ شہرت، خود پسندی جیسے امور بھی کمالِ عبادت کے منافی ہیں۔ دوسری طرح کمال عبادت کے لئے ضروری ہے کہ خوف، رجا اور شوقِ مشاہدہ موجود ہو۔ اوّل الذکر موانع کا دفعیہ اور مؤخر الذکر کا حاصل ہونا بغیر عونِ الٰہی کے متصوّر نہیں اس لئے بندہ بارگاہِ خداوندی میں استعانت کرتا ہے۔

استعانت کے بعد طلبِ ہدایت سے اس امر کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں

---

(۱) مجموعہ رسائل (اردو ترجمہ) مولانا احمد رضا خانؒ : ص ۸۲

دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اگر اس سے پہلے کوئی وسیلہ پیش کیا جائے یہاں ہدایت کے لئے دعا کی جارہی ہے اور عبادت کو بطورِ وسیلہ پیش کیا جارہا ہے علامہ زمخشری اس اسلوب سے یہ ضابطہ اخذ کرتے ہیں : لأن تقديم الوسيلة قبل طلب الحاجة يستوجبوا الإجابة اليها (۱) کیونکہ طلب حاجت سے قبل وسیلہ اس لئے ہے تاکہ اسکی قبولیت یقینی ہوجائے۔

خلاصۂ کلام ہے کہ حقیقی استعانت سے مراد بجز اس کے کچھ نہیں کہ اسباب ظاہری میں بھی مؤثر حقیقی اللہ ربّ العزّت کو مانا جائے اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ مقربان بارگاہِ الٰہی سے مَدد اور عون طلب کرنے کی ہر صُورت درحقیقت اللہ ربّ العزّت سے استعانت ہے۔ اس لئے کہ ان اشخاص کہ جن کا توسّل کیا جاتا ہے ان میں یہ قدرت اور تاثیر اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے۔

اس لحاظ سے طلب العون عن الاسباب میں ضابطہ یہ ہے کہ یہ عون و مدد بدون اذنِ خُدا ممکن نہیں ، اشخاص کہ جو اسباب بنتے ہیں ان کے دِل میں اعانت کا خیال اور مدد کی طاقت پیدا کرنے والا تو خُدا تعالیٰ ہی ہے۔

بالعموم تعاون کے اُمور میں کسی شخص کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ جس سے تعاون کی درخواست کی جارہی ہے وہ مُستقل بالذات ہے۔

استعانت بمعنیٰ طلبِ دیدارِ الٰہی

اھل باطن فرماتے ہیں کہ استعانت اس جگہ بمعنی طلب عون یعنی طلب مَدد کے نہیں بلکہ طلب معاینہ کے ہے یعنی عبادت ہماری طرف سے ہے اور مرتبہ معاینہ کا دینا اور عین الیقین کو پہنچانا اللہ کا کام ہے (۲) ——— گویا بندہ جب بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوتا ہے تو ذکرِ اسماء باری کے ساتھ وہ حالتِ غیبت سے حالتِ حضور کی طرف آتا ہے اور ایاك نعبد کیساتھ اپنے آپ کو اللہ کی بارگاہ میں پاتا ہے، پھر کمالِ عبادت اور مقصودِ عبادت کے لئے دامن طلب پھیلاتا ہے چونکہ مقصود عبادت ہے، انوار وتجلّیات الٰہی کا مشاہدہ اور دیدار، اس

---

(۱) الکشاف : علامہ زمخشری ج ۱ : ص ۱۵

(۲) تفسیر عزیزی : شاہ عبدالعزیز دھلوی ج ۱ : ص ۲۹

سیاق میں ایاک نستعین کا مفہوم یہ ٹھہرا کہ اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں آداب بندگی بجا لاتے ہیں، ہم تیرے جلووں کے نظارہ کا شوق رکھتے ہیں۔ اس لئے تجھ سے تیری ہی ذات کا سوال کرتے ہیں۔

ضابطۂ استعانت اور اصلاح نفس

فاتحۃ الکتاب میں "ایاک نستعین" سے بارگاہِ خداوندی سے مانگنے کا سلیقہ تعلیم فرمایا گیا اور پھر وظیفۂ استعانت سے توکل اور استعانت اور استغناء کی تربیت مہیا کی گئی۔ گویا بندہ جب عرض کرتا ہے "ایاک نستعین"، تو وہ اسوۂ ابراہیمی کو اپنے سامنے رکھتا ہے۔ انتہائی مصائب و شدائد میں بھی اور عام حالات میں بھی وہ کلیتہً اپنے رب پر انحصار کرتا ہے، اسی ذات قادر مطلق پر اعتماد کرتا ہے۔

اس ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ یہ ہے کہ آپ کو نارِ نمرود میں ڈال دیا جاتا ہے۔ جب جبریلِ امین حاضر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں "ھل لک من حاجۃ؟" حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں "اما الیک فلا" جبریلِ امین عرض کرتے ہیں اپنے رب سے درخواست کیجئے تو جواب میں فرمایا۔ "حسبی من لسئوالی علمہ بحالی"[۱] استعانت باللہ اس مفہوم میں توکل کا دوسرا نام ہے۔ اپنے رب پر مکمل انحصار اور اعتماد کا احساس بندہ کو غیر اللہ سے بے نیاز کر دیتا ہے اس طرح وہ کمالِ استغناء کی دولت سے سرفراز ہوتا ہے۔

استعانت باللہ میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بندہ کو اپنے عجز کا یقین ہو جاتا ہے۔ یہ یقینِ تکبر، غرور اور نخوت کا علاج ہے۔ استعانت باللہ پر ایمان جب عمل میں ڈھل جاتا ہے تو وہ فضائل اخلاق جنم لیتے ہیں جو شرفِ انسانیت اور کمالِ آدمیت کی اساس بنتے ہیں۔

۱۔ تفسیر کبیر: فخر الدین الرازی ج ۱ ص ۲۵۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجتماعی مطالعہ قرآن مجید کی ایک تحریک

بسلسلہ وار

ماہانہ

درسِ قرآن

از:

پروفیسر محمد شریف سیالوی

ہر انگریزی ماہ کی ۲۷ تاریخ

عصر تا مغرب

بمقام:۔ جناح ہال، گھنٹہ گھر، ملتان

زیرِ اہتمام: مرکزِ تعلیماتِ اسلامیہ پاکستان